رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹
تار کا پتہ
"انجمن" علی گڈھ

انجمن ترقی اردو ہند کا ترجمان

قیمت سالانہ تین روپیہ
قیمت ایک پرچہ ڈیڑھ آنہ
تاریخ اشاعت
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

ہماری زبان

ایڈیٹر آل احمد سرور

جلد ۱۵	علیگڈھ - یکم دسمبر ۵۶ء	شمارہ ۲۲

لندن کا اردو پندرہ روزہ "النحلہ"

از جناب عابد رضا بیدار

۱۸۷۷ء میں 'نیسان' (اپریل) کے مہینے میں پندرہ روزہ "النحلہ" کا پہلا نمبر نکلا، اور کانون اول یعنی کچھ پہلی دسمبر ۱۸۷۷ء کو پندرہ روزہ سلسلہ کا آخری پرچہ شائع ہوا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کب سے ماہنامہ میں تبدیل ہوا۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اس کے جو پرچے محفوظ ہیں ان میں ۱۸۷۷ء کا فائل ہے اور اس کے بعد ۱۸۸۰ء کا جب یہ ماہنامہ کی شکل میں نکلتا تھا۔ بیچ کا سلسلہ نہیں ہے۔

اس رسالہ یا اخبار کی یہ خصوصیت تھی کہ یہ انگریزی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں مضامین، اقتباسات اور خبریں شائع کرنے کا مدعی تھا۔ اگرچہ اردو حصہ موجودہ نمبروں میں سے صرف تین پرچوں میں ملتا ہے، باقی میں یا تو لکھنے والے نہ مل سکے یا پھر پالیسی تبدیل ہو گئی یوں بھی اردو فارسی اور ترکی میں صرف "گاہ گاہ" مضامین چھاپے جانے کی اسکیم تھی۔

صرف تین سیٹ "النحلہ" ۱۲ صفحات پر مشتمل نکلتا تھا۔ مختلف ممالک میں اس کے کارکن موجود تھے۔ اور یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ علی گڈھ میں اس کی نمائندگی سرسید احمد خاں کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا تعلق "النحلہ" کے سرپرستوں سے قیام لندن کے دوران میں ہو گیا ہو۔ لائبریری اس لحاظ سے النحلہ کے فائل کے لئے تیرہوم ہی کی مرہون منت ہے۔

"النحلہ" میں سیاسی اور سماجی عنوانات پر ہلکے پھلکے مضامین ہوتے تھے۔ اس زمانہ کی اہم شخصیتوں کے ذکر نکلتے تھے جن میں سلطان عبدالحمید

مدحت پاشا اور سر سالار جنگ کی تصاویر قابل ذکر ہیں۔

"ریورنڈ" جے ولس صابونجی[1] "النحلہ" کو ترتیب دیتے تھے۔ اور یہ عربی اردو اور انگریزی میں ٹائپ میں شائع ہوتا تھا۔ یہ کب تک جاری رہا اس کا ٹھیک ٹھیک پتہ چلنا مشکل ہے۔

بیرون ہند سے شائع ہونے والے اردو اخبارات کا پتہ لگانا اور اس کے مواد کا تجزیہ کرنا ہے تو کسی قدر مشکل کام، لیکن اردو صحافت کی تاریخ کے لئے بڑا ضروری ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں سے وہ پرچہ شائع ہوتا تھا وہاں کے لوگ کس پالیسی کے تحت ہندوستانیوں سے تعلقات رکھنا چاہتے تھے۔ لندن کے بعض دوسرے اردو اخبارات کے فائل کی موجودگی کا پتہ کہیں کہیں چلتا ہے۔ غالباً اسی قسم کا کوئی فائل مانچسٹر یونیورسٹی کے لائبریری میں بھی ہے۔ جمال الدین افغانی کی تحریک "اتحاد اسلام" کے سلسلے میں قسطنطنیہ سے ایک اردو اخبار کی اشاعت کا ذکر ملتا ہے۔ جو سلطان عبدالحمید کے ایما پر ایک پنجابی مسلمان کے ہاتھوں ترتیب پاتا تھا۔

بیرونی اردو اخبارات کے علاوہ ان اخبارات کا ایک تفصیلی جائزہ بھی بڑا کارآمد ہوگا جو یورپ یا مشرق وسطیٰ میں شائع ہوتے تھے اور عربی یا انگریزی میں ہوتے تھے۔ اور ان میں ہندوستان کے اہم اشخاص کے سلسلے میں مضامین نکلتے تھے اور یہاں کی قومی تحریک کے بارے میں تفصیلی خبریں اور رائیں ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر جمال الدین افغانی کے سلسلۂ تلامذہ میں مفتی محمد عبدہ کے نامور شاگرد علامہ رشید رضا "المنار" نکالتے تھے۔ قاہرہ کے اس ماہنامہ میں جو ۱۸۹۹ء سے شائع ہونا شروع ہوا اور برسوں جاری رہا۔ پہلی جلد ہی میں سرسید پر ایک مضمون ہے

---

[1] یہ نہیں پتہ کہ کون صابونجی ہیں۔ ایک صابونجی، مشہور عیسائی، شاعر اور مصنف جنٹ کے سکریٹری ... اردو میں بھی اردو ہندوستان ... [illegible]

جرجی زیدان کے "الہلال" اور مصطفیٰ کامل کے "اللواء" میں اس سلسلے کی کوئی اہم چیزیں مل سکتی ہیں۔

یہ تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ اب "النحلہ" کے اردو حصے کی بات سنئے:۔

پہلے شمارہ کے پہلے صفحہ پر ایک اعلان ہے جس پر انگریزی حرفوں میں "ہندوستانی" لکھا ہوا ہے۔ اعلان مندرجہ ذیل ہے:۔

"اہل مشرق کی ترقی کے لئے تھوڑے دنوں سے ہر قسم کی کوشش ہو رہی ہے اور مدرسے اور کتب مفید اور کامیاب پائے گئے ہیں لیکن ابھی تک ایک بہت بڑی کمی باقی ہے۔ یعنی ایک مقبول اخبار جس میں حوادث متداول اور ترقی علوم و فنون جدیدہ درج کئے جاویں اور جس کے ذریعہ ہی علم نافع کی اشاعت بوجہ معقول ہو۔ اس خیال سے منظور ہے ایک اخبار علمی واسطے ممالک مشرق کے عربی زبان میں قائم کیا جاوے اور گاہ گاہ مضامین اردو فارسی اور ترکی زبان میں بھی لکھے جاویں۔ اولاً اخبار جلاد و اعصار بطور اختصار درج ہوں اور بعد ان کے مضامین علوم ادب و فنون جدیدہ و اختراعات بدیعہ ثبت ہوں۔ علاوہ بریں ہر پرچہ عمدہ تصویروں سے آراستہ ہوتا کہ یہ اخبار ہر طور مقصود مرغوب خاص و عام ہو۔

ایڈیٹر اس اخبار کے ڈاکٹر جی صابونجی صاحب مشرقی ہیں۔ جنھوں نے دو سال تک بیروت میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ اور تجربہ کامل حاصل کیا ہے۔

تفصیل مضامین

اس اخبار میں جملہ علوم و فنون کی باتیں لکھی جاویں گی۔ اور ہر قسم کی اختراعات جدیدہ اور آلات صنائع و آثار قدیمہ و مسائل تاریخی و کیمیائی و طبعی و علوم ہیئت و ہندسہ و فلسفہ و معدنیات و نباتات و حیوانات سے بحث کی جاوے گی اور نیز اخبار بلاد و اعصار بہ تحقیق تمام و بحث ما لا کلام درج کئے جاویں گے۔

تفصیل طبع و اشاعت

پہلے سال یہ اخبار مہینے میں دو بار چھپے گا۔ لیکن سال آئندہ سے ہفتہ واری چھپا کرے گا۔ مشترکین ہندوستان و چین و سنگاپور و بلاد فارس و عدن و مکہ معظمہ و خرطوم و بلاد سودان و سواحل افریقہ و شام کی خدمت میں جمعہ کو بواسطہ ڈاک برنڈیسی کے روانہ کیا جاوے گا۔ مگر مشترکین ممالک عثمانیہ کی خدمت میں روز سہ شنبہ کو بواسطہ ڈاک مارسیلس کے روانہ ہوگا۔ قیمت اس اخبار کی سالانہ مع محصول ڈاک ایک پونڈ انگریزی (یعنی قریب بارہ روپیہ) ہوگی جن صاحبوں کو شرکت منظور ہو وہ کیسر ایڈیٹر صاحب سے یا بذریعہ ایجنٹ کے لندن سے طلب فرمائیں اس اخبار کی قیمت پیشگی لی جاوے گی اور سی آرڈر اور ٹکٹ انگریزی دل کے جاویں گے مگر فرنچ ٹکٹ نہ لئے جاویں گے۔ صاحبان مشترکین کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ اپنے نام پتے نامی اور پتوں کو خط جلی و صاف تحریر فرما دیں تاکہ ارسال اخبار میں غلطی نہ واقع ہو۔

حقوق مشترکین

اولاً جو صاحب کوئی اشتہار مختصر دیا چاہیں بلا قیمت درج اخبار کیا جاوے گا۔ ثانیاً جو صاحب مضامین علمی پر کچھ تحریر فرمائیں وہ نہ فقط درج اخبار ہوگا بلکہ علی قدر مرتبہ اجرت اوس کی دی جاوے گی ثالثاً آخر سال میں ہر خریدار کو ایک مجموعہ مجلد و مصور اخبار کا بلا قیمت بھیجا جاوے گا۔"

"النحلہ" کے دوسرے شمارہ میں حیدرآباد کے سالار جنگ کا اردو میں ایک خط ہے:۔

"بخدمت ریورنڈ جے لوئس صابونجی منشی النحلہ

کرم فرمائے بندہ!

بحکم سرکار والا مرتبہ جناب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر آپ کی خدمت میں لکھا جاتا ہے کہ آپ کا خط مورخہ ۲۰ مارچ مع نسخہ تحفہ کے پہنچا اور جواب میں اس کے واضح ہو کہ جناب ممدوح آپ کی اس جانفشانی سے نہایت خوش ہیں کیونکہ واقعی ایسے اخبار کی ضرورت ہے اور جناب ممدوح اس امر میں آپ کی مدد کرنے کو موجود ہیں۔ جناب ممدوح نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں آپ کو چند نسخہ اخبار مذکور کے واسطے لکھوں اور ان کی قیمت دریافت کروں اور نیز اس امر کو آپ سے پوچھوں کہ آیا یہ اخبار ماہانہ چھپے گا یا کسی اور طور پر۔ نیاز مند

(آرتھر سی ایلفنسٹ)

اردو ہی میں سر سالار جنگ پر ایک چھوٹا سا مضمون بھی ہے بعنوان کیا ہے نوٹ کر لیجئے۔

"اس زمانے میں کوئی شخص ہندوستان میں مثل نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر کے نہیں ہے اور حیدرآباد کو بڑے شکر کی جگہ ہے کہ ایسا فرمانروا اس ملک کو نصیب ہوا ہے جن لوگوں نے حیدرآباد کو بیس پچیس سال قبل دیکھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ کس طرح کی ترقی اس ملک میں ہوئی تمام جا حاری قائم ہو گئے ہیں۔ نہریں اور ریلوے بھی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جان اور مال کا ویسا ہی امن ہے جیسا کہ انگریزی عملداری میں اور یہ سب بدولت انتظام سر سالار جنگ بہادر کے ہے سال گزشتہ میں سر سالار جنگ نے سفر یورپ کا کیا اور دو مہینہ لندن میں رہے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے خطاب ڈی۔ سی۔ ایل۔ اور شہر لندن سے آزادی سٹی کی پائی اور ہر ایک جا اعزاز نواب صاحب بہادر کا ایسا ہوا کہ آج تک سوا بادشاہوں کے اور کسی کا نہیں ہوا ہے۔"

ان چیزوں کے علاوہ اردو میں صرف ایک چیز اور ہے "اخبار مریخ" ایک مضمون، اور وہ چونکہ تنہا طویل ہے۔ اور نقل کرنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں اس لئے حوالہ ہی کافی ہے۔

---

* معلوم یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والا کچھ اردو سے واقف ہے لندن میں رہ کر اردو لکھی ہے اور وہ بھی پختہ نہیں۔ "بھی" بھی استعمال انگریزی کے طریقہ پر کیا ہے۔ [illegible]

ہماری زبان

یکم دسمبر ۱۹۵۶ء

ہندستان کی پہلی جنگ آزادی اور اردو

ہندستان کی پہلی جنگ آزادی جسے انگریز مورخوں نے غدر کا نام دیا ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ اگلے سال اس کو پورے سو برس ہو جائیں گے۔ حکومت ہند، ریاستی حکومتیں اور ہندستانی عوام ۱۸۵۷ء کی صد سالہ یادگار منانے کے لئے مختلف اسکیمیں تیار کر رہے ہیں۔ ابھی تک یہ طے نہیں ہوا ہے کہ یہ یادگار مئی ۱۹۵۷ء میں منائی جائے یا اکتوبر میں۔ بہرحال جلد ہی اس کے متعلق اعلان ہو جائے گا۔

مئی میں حیدرآباد میں جو کل ہند اردو کانفرنس ہوئی تھی اُس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اس موقعے پر اردو ادب میں آزادی کے جذبے کا جس جس طرح اظہار انیسویں اور بیسویں صدی میں ہوا ہے اس کی ایک مکمل تاریخ مرتب کی جائے۔ حیدرآباد کی کانفرنس نے سفارش کی تھی کہ انجمن ترقی اردو ہند اپنی نگرانی میں یہ کام کرائے۔ اس کی تیاری کے لئے سو روپیہ ماہوار کی رقم بھی حیدرآباد کے ایک روشن خیال تاجر نے دی تھی۔ لیکن غور کرنے پر یہ اندازہ ہوا کہ اس بڑے کام کے لئے وقت ناکافی ہے۔ اور اب انجمن اسلام ایک مختصر انتخاب تحریک آزادی کے متعلق اردو اور ہندی رسم خط میں شائع کر رہی ہے۔ یہ کام یہاں شروع ہی ہوا تھا ابتدائی مواد بمبئی بھیج دیا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ انجمن اسلام کے پرجوش کارکن خوش اسلوبی سے اسے انجام دیں گے۔

لیکن ہم نے یہ محسوس کیا کہ مرکزی انجمن کو بھی اس قومی یادگار منانے میں شریک ہونا چاہئے۔ اس خیال کے پیش نظر ہم نے یہ طے کیا ہے کہ "اردو ادب" کا ایک خاص نمبر صرف ۱۸۵۷ء سے متعلق شائع کیا جائے۔ اس میں اس زمانے کے متعلق نئے معلومات، شعرائے کرام اور ادیبوں کے تاثرات، پہلی جنگ آزادی کے ممتاز جاں بازوں کا تذکرہ اور موجودہ معلومات کا جائزہ ہوگا ہم اس سلسلے میں اردو کے خاص خاص اہل قلم کو علیحدہ علیحدہ لکھ رہے ہیں۔ لیکن ہماری زبان میں اس اسکیم کا اعلان اردو دنیا کے لئے بھی ضروری ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ ہماری زبان کے پڑھنے والے اس اسکیم میں مدد بھی کر سکیں گے۔ اگر ۱۸۵۷ء کے متعلق کوئی قلمی نسخہ، بیاض، یا نایاب کتاب ان کے علم میں ہو تو وہ ہمیں ضرور مطلع کریں۔

یہ خاص نمبر صرف ادبی نہیں ہوگا بلکہ ایک تاریخی دستاویز بھی ہوگا۔ اردو اور فارسی میں ۱۸۵۷ء کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا جائزہ بھی ہوگا اور اس پر تنقید بھی۔ نیز اس میں اُس تمام مواد کی فرہنگ بھی ہوگی جو اس زمانے سے متعلق اردو میں ملتا ہے۔ اس طرح مرکزی انجمن کا یہ تحفہ اردو ادب کی جامعیت کو واضح کرے گا اور ایک قومی یادگار میں اپنا عطیہ بھی پیش کرے گا۔

اس سلسلے میں تمام خط و کتابت ایڈیٹر اردو ادب سے کی جائے۔

اردو ڈراموں کے انگریزی میں ترجمے

ساہتیہ اکاڈمی نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ کون کون سے اردو ڈراموں کے انگریزی میں ترجمے ہوئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ اردو نظم و نثر کے کئی شاہکار انگریزی یا دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ مگر ڈراموں کے ترجمے بہت کم ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں اہل نظر سے درخواست ہے کہ اگر ان کی نظر سے کچھ تراجم گزرے ہوں تو ہمیں مطلع کر دیں۔ ڈراما ہمارے یہاں بہت نو عمر صنف ہے۔ اس کی عمر سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ امانت کی اندر سبھا سے لے کر جدید ڈرامے تک یوں تو بہت سے رنگ ملتے ہیں۔ مگر ان کا معیار بہ حیثیت مجموعی دوسرے اصناف کو دیکھتے ہوئے اتنا بلند نہیں ہے۔ پھر بھی اردو ڈرامے کی تاریخ اور اس کے حلقۂ اثر کو جاننے کے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے موجود ہیں یا نہیں؟

غالب کی یادگار

لوک سبھا میں ایک سوال کے جواب میں مولانا آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند نے جواب دیا کہ چونکہ غالب کے مکان کا کوئی حصہ اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں ہے، اس لئے اس کی حفاظت یا مرمت کا سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر ممبر چاہیں تو غالب کی ایک یادگار قائم کرنے کے مسئلے پر حکومت ہمدردی سے غور کرنے کو تیار ہے۔

ہمارے خیال میں غالب کی سب سے مناسب یادگار ایک

ایسی عمارت ہوگی جس میں غالب کے سارے شاہکار اُن کے خطوط اگر سب خطوط نہ مل سکیں تو ان کی نقلیں اور غالب پر جتنی کتابیں نکل چکی ہیں سب جمع کی جائیں۔ انجمن اس سلسلے میں حکومت ہند کو بھی توجہ دلا رہی ہے۔

لیکن غالب کی یادگار قائم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ حکومت خدائے سخن میر تقی میرؔ کی قبر پر بھی ایک مناسب عمارت تعمیر کرائے اور اردو کے ممتاز شعرا کے زیر اہتمام کم سے کم مناسب کتبے ہی لگوا دے۔ غالب ہمارے بہت بڑے شاعر تھے۔ مگر میر کے ساتھ یہ بے انصافی اور بے توجہی بھی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ میرؔ نے اپنی تربت کے متعلق خود کہا تھا ؎

بجا واجب الزیارت ہے

دانش مندانہ احساس

انڈین ایکسپریس مورخہ ۹۔ نومبر کا ایک اداریہ نوٹ

آندھرا کے چیف منسٹر مسٹر این سنجیوا ریڈی نے سرکاری مراسلت میں اردو استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اس زبان میں جو خط کتابت ہو اس کے سربراہ ہونے کے لئے ایک اردو داں سکریٹری مقرر کیا ہے۔ انھوں نے ایسا کر کے بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔

سابق ریاست حیدرآباد میں اردو کو دوسری زبانوں پر جو فوقیت حاصل تھی اب اس کے نصف اہمیت کی بھی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی۔ پھر بھی یہ کوئی خالی خولی بات نہیں ہے۔

اردو آئندہ سالہا سال تک آندھرا میں شامل ہونے والے حیدرآباد کے ان لاکھوں پڑھے لکھے لوگوں کے دلوں کا ورد نقش بن کر رہے گی جو اس زبان میں انگریزی اور تلگو سے بہتر مہارت رکھتے ہیں۔ اور یہ اردو سے محبت رکھنے والے صرف مسلمانوں ہی تک میں محدود نہیں ہیں۔

یہ فیصلہ دانش مندی پر مبنی ہے کیونکہ ماضی سے اچانک رشتہ توڑ لینا کسی کے حق میں بھی سود مند نہ ہوگا۔ یہ بڑی سیاسی ناعاقبت اندیشی ہے کہ آپس میں مضبوط بندھے ہوئے باشندوں کے طبقوں میں افتراق پیدا کر دیا جائے۔ ایک چھوٹی رعایت سے جس میں زیادہ خرچ بھی نہیں ہے ایک طبقے کی دلجوئی ہو جاتی ہے تو ایسی حکمت عملی برتنے میں دل تنگی سے کام نہ لینا چاہئے۔

اسی طرح عثمانیہ یونیورسٹی کو جہاں اردو ذریعہ تعلیم تھی ٭

غالب کا گھر پارلیمنٹ میں

غالب کے گھر کی حفاظت کے سلسلے میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے اس بنا پر معذوری کا اظہار کیا گیا کہ اب اس کی کوئی پرانی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ اس پر چاروں طرف سے ممبروں نے لے دے شروع کی۔ جس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے بیان دیا کہ "آثار قدیمہ کے فرائض میں صرف قدیم تاریخی عمارتوں کی حفاظت داخل ہے اور اب اس گھر کے در و دیوار بدل گئے ہیں کوئی پرانی چیز باقی نہیں رہی۔ اگر ایوان، غالب کی کوئی یادگار قائم کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو اس پر حکومت غور کرے گی۔"

غالب اپنی زندگی ہی میں کہہ گئے ہیں ؎

ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

جو لوگ اب تک ہر چیز کو مسلم اور غیر مسلم کی عینک سے دیکھتے ہیں وہ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ اس مسلم شاعر کے حامی اور عقیدت مند تقریباً سب کے سب غیر مسلم تھے۔

امید ہے کہ اس بڑے شاعر کی یادگار قائم کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے ارکان حکومت کو ضرور مشورہ دیں گے۔ مکان کے در و دیوار نہیں تو کیا وہ زمین تو باقی ہے جسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

گر نگاہے نظیری می کند آرام گاہ ایں جا
جنوں از سایۂ دیوار ایں ویرانہ می خیزد

٭ ہندی یونیورسٹی بنا دینا شاید کوئی مدبرانہ فعل نہ تھا۔ اس سے بھی زیادہ شدید غلطی اتر پردیش کی حکومت سے ہوئی ہے جس نے اردو کی علاقائی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ طرز عمل وزیراعظم نہرو کے اُن خیالات سے ہم آہنگ نہیں ہے جو وہ اکثر ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ اس سے اردو والوں میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا فائدہ پاکستان اٹھاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں آندھرا گورنمنٹ اردو کے معاملے میں ٹھیک راستے پر چل رہی ہے۔

ہماری زبان ہفتہ وار۔۔ ڈاک خانے کی اطلاع آگئی ہے اس لئے اس نمبر سے اخبار ہفتہ وار ہو گیا ہے۔

انجمن کی خبریں

امروہہ (یوپی)

رات کا اسکول انجمن ترقی اردو ہند شاخ امروہہ کی جانب سے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو شیعہ سنی لائبریری امروہہ میں شبینہ اسکول کی رسم افتتاح منائی گئی۔ افتتاح کے وقت انجمن کے صدر اور مجلس عاملہ کے تقریباً تمام ممبر موجود تھے۔

حکیم کلب علی شاہد صدر اور سید سخی حسن نقوی نے اسکول کی ضرورت اور افادیت پر مختصر مگر جامع تقریریں کیں۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ جو لوگ اسکول میں داخلہ لیں گے ان کے تمام تعلیمی مصارف کی کفیل انجمن ہوگی۔ امید ہے کہ باشندگان امروہہ انجمن کے ساتھ تعاون کرکے اسکول کو کامیاب بنائیں گے۔

ادبی اجتماع

شاخ انجمن کا اٹھارواں ماہانہ ادبی جلسہ علی شان خاں صاحب نیازی کے دولت کدے پر انعقاد پذیر ہوا۔ اکرام الدین صاحب فاروقی نے "رات کے سائے" کے عنوان سے ایک افسانہ پڑھا۔ دستور کے مطابق دعوت تنقید دی گئی۔ تاباں صاحب۔ جون صاحب اور جے پال صاحب نے چند گراں قدر مشورے دئے۔ سید محمد جلوت صاحب اور مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے خیال اور زبان کی تعریف کی۔

اس کے بعد سید تقی حسن صاحب نقوی نے اپنا افسانہ پیش فرمایا۔ دعوت تنقید پر سب نے ستائش کی۔

حکیم کلب علی صاحب شاہد نے "دو دوستوں کا ادبی مکالمہ" کے عنوان سے مضمون پیش فرمایا۔ سامعین نے بہت تعریف وتحسین کی۔

حصہ نظم میں جون صاحب نے "اندھیرا" اور سلطان احمد صاحب نے "چمکا اور چپاتی" کے عنوان سے نظمیں پیش فرمائیں۔ داد و ستائش کی چاشنی میں جلسہ شکریہ کے ساتھ ختم ہوا۔

انجمن کا وفد

شاخ انجمن امروہہ کا ایک وفد ڈائرکٹر آف ایجوکیشن صوبہ یوپی سے ملا اور جنتا انٹر کالج اور گورنمنٹ گرلس کالج امروہہ میں اردو کے اجرا کی درخواست پیش کی اور طلبا کے ساتھ ناانصافیوں کا ذکر کیا۔ ڈائرکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ان مشکلات کا ازالہ کردیں گے۔ آپ نے مزید یہ کہا کہ جولائی ۱۹۵۷ء سے گورنمنٹ گرلس اسکول امروہہ میں اردو جاری کردی جائے گی اور اردو کی ٹیچر کا انتظام کردیا جائے گا۔

مگر جنتا انٹر کالج امروہہ کے نویں اور گیارہویں درجے میں طلبا کی تعداد ۱۲ ہونی چاہئے۔ وفد نے ان سے اپیل کی کہ بورڈ کے اس قانون کی تصریح فرمائیں اور پابندی ہٹوا دیں۔ انجمن موصوف کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہے۔ بہرطور انجمن ڈائرکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے ہماری ایک دشواری کو حل کردیا ہے اور امید ہے کہ دوسرا مرحلہ بھی غریب طلبا کی ذہنی کشاکش کو ملحوظ رکھ کر طے کردیا جائے گا۔

شبنم شفیق (نائب معتمد اعزازی)

دہلی

انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی چودہویں نشست ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں زیر صدارت پنڈت سندر لال صاحب منعقد ہوئی۔ پروگرام کے مطابق وقار رضوی صاحب نے اپنا مقالہ "چکبست بہ حیثیت پیمبر وطن" پڑھا۔

اس مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ علی بہادر صاحب نے فرمایا کہ اقبال کی وطنیت پر جو آپ نے اعتراض کیا ہے ٹھیک نہیں ہے اقبال تو مفسر قرآن تھے۔

قطعات

بیشن چند نقش

(۱)
یہ چنبیلی کی ادھ کھلی کلیاں — جیسے جھرمٹ حسین ستاروں کا
بارہا ہو چکی ہے گو تاراج — پھر بھی کتنی حسین ہے دنیا

(۲)
عکس افگن ہے دیدہ و دل میں — جنبشِ آرزو کی رعنائی
دورِ نو کے حسین تصور میں — زندگی لے رہی ہے انگڑائی

(۳)
جیسے دریا کے پرسکوں دھارے — یا حسیں نغمہ بار فوارے
گنگناہٹ پہ تیرے قدموں کی — گیت گاتے ہوں جیسے سیارے

(۴)
پرفشاں ہے تھکا تھکا سا خیال — بیکراں وسعتوں کے گھیرے میں
جیسے اک ناقہ ہو گمِ سفر — شام کے بھیگے اندھیرے میں

(۵)
نامرادی کے تند طوفاں میں — مل گئے آج کچھ سہارے سے
ان کے جلووں میں کھو گئیں نظریں — کشتیاں جا لگیں کنارے سے

وقار صاحب نے جواب دیا "حافظ صاحب آپ کا مطلب یہ ہے کہ بانگِ درا، بیا شوالہ قرآن کی تفسیر ہیں؟"

حافظ صاحب :۔ میرا مطلب آپ سمجھے نہیں وہ مولویانہ نقطۂ نظر سے نہیں شاعرانہ نقطۂ نظر سے کہا ہے۔

وقار صاحب :۔ اقبال کا نقطۂ نظر عالمی تھا یا ہندوستانیت کا تھا

حافظ صاحب :۔ عالمانہ تھا نہ ہندوستانی بلکہ قرآنی تھا۔

تلوک چند محروم صاحب :۔ حافظ صاحب یہ کہہ کر اور بھی ہندوستان سے اقبال کا نام مٹا رہے ہیں۔ کیا "ہندوستان ہمارا" بھی قرآن کی تفسیر ہے۔

حافظ صاحب۔ جی ہاں یہ بھی۔ اسی لئے کہا ہے۔

پنڈت سندر لال :۔ میں ادیبانہ حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی انسان کی حیثیت سے اقبال کے متعلق کچھ کہوں گا۔ وقار صاحب کا مقالہ چکبست پر بہت اچھا ہے۔ لیکن مقالہ میں اقبال اور حالی کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔ اقبال کو چھوڑیئے۔ میرا "حب وطن" خود قرآن کے مطابق ہے لیکن اس سے حب وطن کی حیثیت کم نہیں ہو جاتی۔ ایک مسلم اور ایک ہندو کی پوزیشن میں بڑا فرق ہے اقبال کے دل کو جو چوٹیں اپنے اہل وطن سے پہنچی ہیں چکبست کو بھی اگر یہ چوٹیں برداشت کرنا پڑتیں تو وہ بھی اقبال کے ہم نوا ہو جاتے

اقبال نے جب جو محسوس کیا کہہ دیا وہ منافق نہیں تھا۔ اور موجودہ صورت حالات کچھ پہنچنے کی نہیں ہے اس فضا میں نہ کوئی صحیح ہندو ہے نہ مسلمان البتہ تھوڑے بہت ہیں۔ میں ان اونچے لیڈروں سے واقف ہوں جو اس جمہوری دور میں بھی متعصب اور تنگ نظر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ملک کی تقسیم کا باعث بھی اونچے درجہ کی یہ تنگ نظری ہے میں آپ کو کیا بتاؤں کہ ڈاکٹر کچلو جیسے قوم پرست مسلمان کو لاہور میں کانگریس کا صدر صرف اس لئے نہیں چنا گیا کہ وہ مسلمان ہیں۔

ان تمام باتوں کے بعد اس بُرے برتاؤ نے اقبال کے دل کو ٹھیس پہنچائی اور ان کا نظریہ شاعری بدل گیا۔

آپ بھی لاشعوری طور پر تو اسی طرح سوچتے ہوں گے جس طرح اقبال نے سوچا اور سمجھا۔ لیکن اپنے دل کے خلاف کہہ رہے ہیں۔

حالی کا حب وطن بہت اونچا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے مسلمان قومیت کو صحیح انداز سے پیش کیا۔ حالی کا ۱۹۱۴ء میں انتقال ہو گیا۔ چکبست کی طرح انھوں نے بھی وہ زمانہ نہیں دیکھا جب کانگریس کی تحریک زور پکڑ چکی تھی اگر وہ اس زمانے تک رہتے تو یقیناً چکبست سے اونچی نظمیں لکھتے۔

اس زمانہ میں ہندو کے لئے مشترکہ قومیت پر بات کرنا آسان ہے لیکن مسلمان کچھ نہیں کہہ سکتے اور اس سلگتے ہوئے ماحول میں صحیح تنقید بھی نہیں ہو سکتی۔

گوپال متل صاحب :۔ اقبال کی جو شاعری ہے وہ کسی وقتی جذبہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ وہ جب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ ایسا پرخلوص ہوتا ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ ایسا انھوں نے ہندوؤں کی وجہ سے کہا ہے۔ میرا خیال ہے ان کا نظریہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ اور جہاں تک ایسی نظموں کا سوال ہے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" یہ ان کے بچپن کی نظم ہے جب اُن کا شعور پختہ نہیں تھا۔

محروم صاحب :۔ یہ نظم ان کے بچپن کی تو نہیں البتہ آپ نے اپنے بچپن میں پڑھی ہوگی۔

آخر میں پھر حافظ صاحب نے کہا کہ اقبال کا نظریہ صرف قرآن تھا اور آئندہ میں خود کسی نشست میں اسی موضوع پر مقالہ پڑھوں گا۔

اس بحث کے بعد جناب مشیر جھنجھانوی اور عزیز وارثی نے غزلیں پڑھیں جن پر تنقید نہیں ہوئی۔ اجتماعی طور پر سب نے پسند کیا۔

حیدرآباد (آندھرا)

دکن کے مشہور اردو صحافی اور قوم پرست لیڈر مسٹر بیم نرسنگ راؤ آندھرا کی نئی کابینہ میں وزارت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ موصوف کا انجمن سے دیرینہ تعلق رہا ہے اس لئے انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن نے اردو ہال میں ایک خیر مقدمی تقریب (ایٹ ہوم) ترتیب دی جس میں اردو دوستوں کی ایک بڑی جماعت نے انھیں مبارک باد پیش کی۔ حاضرین میں اور اصحاب کے علاوہ یہ حضرات بھی تھے۔

نواب مہدی نواز جنگ وزیر صحت۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ رکن پارلیمنٹ ڈاکٹر جی۔ ایس۔ ملکوٹے سابق وزیر۔ پدما بھوشن ملاوتی، ہنمنت راؤ، نواب زین یار جنگ، پروفیسر ہارون خاں شروانی۔ مسٹر غلام یزدانی۔ مسٹر عثمان سبحانی مسٹر سجاد مرزا، مسٹر فضل الرحمٰن، مسٹر اختر حسین (ایڈیٹر پیام) مسٹر عابد علی خاں (ایڈیٹر سیاست) اور مسٹر جانکی پرشاد۔

جناب حبیب الرحمٰن صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی تقریر کے جواب میں مسٹر نرسنگ راؤ نے فرمایا۔

اردو ایک زندہ جاوید زبان ہے جس کو کبھی زوال نہیں آسکتا حیدرآباد کے طرز زندگی اور حالات پر اردو نے کافی اثر ڈالا ہے۔ اس لئے آندھرا سے آنے والوں پر بھی اس کا اثر پڑنا ضروری ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کا اثر پورے آندھرا پردیش پر پڑے گا، سب کو یہ زبان سیکھنی ہوگی۔ خواہ اسے اردو کا نام دیجئے یا ہندوستانی یا ہندی کہہ لیجئے۔

انھوں نے فرمایا کہ حیدرآباد کے اردو داں طبقے کو بھی تلگو سیکھنا چاہئے خوشی کی بات ہے کہ اس کی شروعات ہو چکی ہے۔

کامٹی (بمبئی) انجمن ترقی اردو کامٹی کے صدر جناب عبدالستار فاروقی صاحب نے سالانہ جمعیت الطلبا کے ایک جلسے میں لوگوں سے اپیل کی کہ اردو کی خدمت کے لئے انجمن ترقی اردو کا پلیٹ فارم بہترین بلا فرقہ وارانہ پلیٹ فارم ہے آپ کے ہاں اس انجمن کے ممبر بھی بنائے گئے ہیں۔

اُردو دُنیا

روس میں اردو گانا

(روزنامہ ناظم رام پور کے حوالے سے)

(جناب شیام سندر سہائے ایم پی۔ وائس چانسلر بہار یونیورسٹی)

ہندوستانی وفد کے ساتھ دو مہینے روس کے مختلف مقامات کا دورہ کر کے واپس آئے تو مظفر پور کے لوگوں نے ایک استقبالیہ دیا۔ موصوف نے جوابی تقریر میں اردو کے متعلق ذکر فرمایا۔

وہاں ہندوستان کے چار انسان بہت مشہور ہیں۔ مہاتما گاندھی، مسٹر نہرو، رابندر ناتھ ٹیگور اور راج کپور۔ میں روس میں ماسکو یا جہاں بھی گیا آوارہ فلم کے گانے "آوارہ ہوں" نے میرا استقبال کیا۔ ہر جگہ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ "راج کپور کو آپ جانتے ہیں"؟ میں نے کہا اُن کو ہی نہیں ان کے باپ کو بھی جانتا ہوں۔

ملا جلا کلچر

(روزنامہ افکار بھوپال کے حوالے سے)

بھوپال کی جمعیت علماء نے ۲۰ نومبر کو مدھیہ پردیش کے بڑے وزیر شری شکلا جی کو ایک جلسے میں خیر مقدمی سپاسنامہ پیش کیا تھا ان کی علالت کی وجہ سے شری منڈلوی وزیر لوکل سلف نے بڑے وزیر صاحب کی طرف سے جواب دیتے ہوئے اردو کے متعلق یہ فرمایا۔

ہمارے ملک کے دستور میں سب کو یکساں حق دئے گئے ہیں، دیس میں کئی زبانیں ہیں اور ہمارا ایک خاص ملا جلا کلچر ہے اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہماری جتنی زبانیں ہیں ان کا مان رکھا جائے۔ اس سلسلے میں دستور نے جو حفاظتی انتظام بتایا ہے اُسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس پر برابر عمل کریں گے۔

اردو اسکول

نئی گنج (اجین) میں اردو کے ہمدردوں کی توجہ سے ایک اسکول قائم ہو گیا ہے۔ عرصے سے اس کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔

یوم غالب

بزم فروغ سخن مبیتی کے اہتمام میں بہ صدارت محمود سوختہ صاحب ۲۸ نومبر کو ایک طرحی مشاعرہ منایا گیا جس میں تقریباً ساٹھ شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔ حضرت شکیل بدایونی نے افتتاح کیا مشاعرہ نو بجے رات شروع ہو کر تین بجے ختم ہوا۔

ہندی کی خدمت

ہری جن لیڈر جگت رام چند صاحب کانگریس اسمبلی پارٹی کے سابق وہپ نے غازی آباد کے پاس ہری جن طلبہ کے ایک جلسے کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اردو کی مخالفت کرنے والے ہندی بھاشا کی کوئی خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ اردو بھی ہندوستان کی ایک مادری زبان ہے جس کو کروڑوں انسان پڑھتے لکھتے اور بولتے ہیں۔ ہندوستان میں چھپنے والے اخباروں کا شمار کیا جائے تو اردو کے اخباروں کی تعداد سب سے زیادہ نکلے گی۔

ہندی بھی ہمارے ملک کی ایک اہم زبان ہے انگریزی کی جگہ ہندی اور اردو ہی لے سکتی ہے۔ یہ دونوں زبانیں اچھے بھلے غیر ملک میں بھی کام دے سکتی ہیں۔ ہری جن طلبہ کو چاہئے کہ وہ ہندی کے ساتھ اردو بھی ضرور پڑھیں۔

آندھرا میں اردو

آندھرا پردیش کابینہ کے ایسے سب وزیر جو اردو سے ناواقف ہیں وہ اردو داں عہدہ دار کو اور جو تلگو سے ناواقف ہیں وہ تلگو جاننے والے عہدہ دار کو سرکاری طور پر مقرر کریں گے

اردو اخبارات

آندھرا کے ناظم اطلاعات نے چوراہہ یعنی ہی اردو اخبارات کو تمام مضامین، مضمونوں اور اطلاعات کے ترجمے جلد مہیا کرنے کا انتظام کیا ہے۔ پہلے انگریزی سے ایک روز بعد اطلاعات بھیجی جاتی تھیں۔

عدالت میں اردو

آندھرا کے چیف جسٹس مسٹر سبا راؤ نے کہا، ہمیں اردو میں کام جاری رکھنے کی اجازت دینے کے سوال کے علاوہ یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ اردو داں وکیلوں کو قانونی تعلیمات سے ہمیں پورا پورا فائدہ بھی اٹھانا ہے جو وکیل انگریزی جانتے ہیں۔ گر اردو میں بحث کرنے کے عادی ہیں وہ تو کوشش سے انگریزی میں بحث کرنے لگیں گے۔ ہم یہاں یقیناً ہم آہنگی کو قائم رکھیں گے اور عبوری دور کے لئے اردو جاننے والے ایڈوکیٹ کو عدالتوں میں اردو میں بحث کی اجازت ملے گی۔

ادارۂ تعلیم اردو کا جلسہ

جامعہ اردو کے امتحانات کی تیاری کے لئے ادارہ تعلیم اردو کا قیام ایک سال پہلے عمل میں آیا تھا جو علی گڑھ شہر کے طلبہ اور طالبات کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ اس کا دوسرا سالانہ جلسہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۷ء کو مسلم اسلامیات کے ہال میں شام کے ۴ بجے ہوا جس میں یونیورسٹی اور شہر علی گڑھ کے حمایتی جلسہ اور اساتذہ نے شرکت فرمائی۔ جلسہ نواب رحمت اللہ صاحب رئیس جیکم پور کی صدارت میں ہوا۔

اس موقع پر ادارے نے نواب رحمت اللہ صاحب کی

طرف سے حاضرین کو عصرانہ بھی دیا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم نے مہمانوں کا استقبال کیا اور ادارے کے کاموں کو سراہتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد جناب نسیم قریشی صاحب نے ایک سال کے کاموں کی رپورٹ پیش کی۔

نواب رحمت اللہ صاحب رئیس بھیکم پور نے اپنی صدارتی تقریر میں جامعہ اردو اور ادارۂ تعلیم اردو کے کاموں کو سراہا اور کارکنوں کو ان کی بے لوث خدمت پر مبارکباد دی۔

نواب صاحب کی تقریر کے بعد مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سید بشیر حسین صاحب زیدی نے ایک مختصر تقریر میں فرمایا کہ جو کام محنت، خلوص اور نیک دلی سے ہوتا ہے وہی ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور جب تک ملک میں جامعہ اردو جیسے مخلص کارکن موجود ہیں، اردو پڑھنے اور بولنے والوں کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ موصوف نے جامعہ اردو کے رجسٹرار جناب ظہیرالدین صاحب علوی اور ان کے ساتھیوں کو مبارکباد دی۔

جلسہ ختم ہونے سے پہلے جناب ظہیرالدین صاحب علوی نے اپنی تقریر میں جامعہ اردو کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح یہ چھوٹا سا ادارہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ موصوف کی تقریر میں ان کے آئندہ بڑے عزائم کی جھلک نظر آتی تھی۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

گراں مایہ سرمایہ

جمعیت العلماء ہند کا سالانہ جلسہ اس سال سورت میں ہوا۔ جس میں علاوہ علماء اور سربرآوردہ مسلمانوں کے مصر اور ہندوستان کے بعض مشاہیر نے بھی شرکت کی۔ یہ مسلمانوں کا بڑا نمائندہ جلسہ تھا اس میں اور تجویزوں کے علاوہ اردو کے متعلق حسب ذیل تجویز منظور ہوئی۔

"اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اردو زبان وطن عزیز کا ایک سرمایۂ گراں مایہ اور ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ اور یگانگت کی ایک یادگار خوش گوار ہے وہ ملک کے بسنے والے کسی مخصوص فرقہ کی نہیں بلکہ سب کی ملی جلی پر ولعزیز زبان ہے۔ اور اس کی حفاظت ترقی اور بہبودی باشندگان وطن کی ایک مشترک ذمہ داری ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس عام ایک بار پھر صدر جمہوریہ ہند کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ جلد از جلد انجمن ترقی اردو کے پیش کردہ مطالبہ کو منظور فرمائے۔ دستور ہند کی دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اردو کو اتر پردیش میں ریجنل لنگویج (علاقائی سرکاری زبان) قرار دیں۔ اور ان لاکھوں ہندو مسلمانوں کے طویل انتظار اور بے چینی کو ختم کریں جنہوں نے برملا اردو کو اپنی مادری زبان ظاہر کرتے ہوئے مطالبہ مذکور پر دستخط کئے ہیں۔

تلسی داس کا گھر

ہندی کا یہ بڑا شاعر آج سے چار سو سال پہلے راجہ پور ضلع باندہ میں پیدا ہوا تھا۔ پچھلے سیلابوں سے اس کے گھر کو کچھ نقصان پہنچا تھا۔ اس مرتبہ برسات سے پہلے اتر پردیش کی حکومت نے حفاظتی انتظامات کر دئے تھے۔ پھر بھی حالیہ سیلاب میں اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ سیلاب کی روک تھام کرنے والے افسروں نے انسانوں کے ساتھ اس قومی سرمایہ کی حفاظت بھی کی اور بالو کی بوریوں کے پشتے لگا کر اسے بچا لیا۔

اب حکومت اتر پردیش نے ۵ لاکھ کے سرمایہ سے پورے گاؤں کی حفاظت کی اسکیم بنائی ہے۔ جو اس سال شروع ہو جائے گی۔

اردو رسم خط

* اردو رسم خط کے متعلق انجمن کے پاس بہت سے خط آئے ہیں۔ ہماری زبان اب مختصر ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ یہ سب خط ایک ایک کرکے شائع کئے جائیں۔ اس سلسلہ میں علی گڑھ کے مشہور بنگ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب ایڈوکیٹ کا خط اس اشاعت میں شائع کیا جارہا ہے

انجمن ترقی اردو کی رسم خط کمیٹی نے اپنی طویل نشستوں میں تمام تحریروں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک مختصر کمیٹی کے سپرد یہ کام کردیا ہے۔ تاکہ مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے اپنی رائے پیش کرے۔ جب اس سلسلے کے تمام مراحل طے ہوجائیں گے تو اردو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے انجمن اپنی سوچی ہوئی قطعی تجویز شائع کرے گی۔ (ادارہ)

مائی ڈیر سکریٹری

مجھے خوشی ہوئی کہ "ہماری زبان" کی ایڈیٹری آپ نے اپنے ذمے لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد وغیرہ میں اردو زبان کے متعلق بعض لوگوں میں بیداری پیدا ہورہی ہے اور وہ انجمنیں قائم کررہے ہیں کامیابی اسی میں ہوگی کہ ہر ایک انجمن کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ ہوجائے۔

رسم خط کی اصلاح کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ بہت تھوڑی سی تبدیلیوں سے ہم اپنے حروف تہجی ٹائپ کے قابل بنا سکتے ہیں۔ باقی ہمارے حروف تہجی تمام ماخذوں سے نکلے ہوئے الفاظ کے اوپر حاوی ہیں۔ ہم نے ہندی کے بارہ چودہ حرف اپنے حروف تہجی میں شامل کرلئے ہیں اس سے ہمارے حروف تہجی قریب قریب مکمل ہوگئے ہیں اب کہیں باہر سے حروف لینے کی شاید ضرورت نہیں لیکن ہند کے رہنے والوں کے لئے ظ، ض، ژ، ث زاید حروف ہیں۔ س، ص، ت، ط کو ہم اپنے حروف سے ان میں سے کسی کو بھی خارج نہیں کرسکتے لیکن ض، ظ، ژ، ث کو اگر خارج کردیا جائے تو ہمارے جدید اردو لٹریچر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ غالباً یہ حروف محض عربی زبان تک محدود ہیں۔ فارسی اور ترکی پر بھی ان کے خارج کرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن حروف کا خارج کرنا بہت ہی دقت طلب ہے۔ گر اس کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اس وقت جو کچھ اصلاح کرنی ہے وہ اس طور پر کرنی ہے کہ نستعلیق کی نستعلیق رہے اور حروف ٹائپ میں ٹوٹے نہیں، جیسے اب ٹوٹتے ہیں۔ اگر یہ ہوجائے تو بڑی کامیابی ہوگی ورنہ ہمارے حروف تہجی میں کوئی دوسری خامی نہیں ہے۔

برخلاف اس کے دیوناگری کے حروف نہایت ناقص اور غیر مکمل ہیں۔ لکھنے میں تو بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کاروبار کی ضرورتوں میں بالکل بیکار ہیں اور آوازوں کے تلفظ پر حاوی نہیں ہیں ز۔ ض۔ ظ۔ ق۔ خ۔ غ۔ ذ۔ ژ۔ ع۔ ف۔ آں کی آوازوں کے لئے کوئی حروف مقرر نہیں ہیں اور اسی وجہ سے پنڈت جی ہمیشہ ریزرو بینک کو ریجرو بنک بولتے ہیں اور غلط کو گلط بولتے ہیں۔ پنڈت جی تو پہاڑی آدمی ہیں ان پر "ایک تو کریلا کڑوا اور پھر نیم چڑھا" کی مثل صادق آتی ہے یعنی ایک تو برہمن اور دوسرے گڈھوالی برہمن "میں دیوناگری حروف کا کوئی بہت بڑا موافق نہیں ہوں جن لوگوں نے اردو کی تصانیف زہرعشق اور خواب وخیال دیوناگری میں چھاپنے کی زحمت گوارا کی ہے ان کی محنت یقیناً رائیگاں جائے گی۔ کیونکہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ دیوناگری میں بہت کچھ تغیر وتبدل ہوں گے۔

اردو زبان مرنے والی نہیں ہے اور کسی زبان کی ترقی کے لئے جو باتیں ضروری ہیں وہ اردو زبان میں موجود ہیں "الفاظ کسی زبان کے بھی ہوں اردو کو ان کو اپنے میں شامل کرنے میں کوئی انکار نہیں یہی حالت انگریزی زبان کی بھی ہے جس کی وجہ سے آج وہ دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ اقوام دنیا میں مقبول عام ہورہی ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر اردو زبان ترقی کرتی گئی داور خدا چاہے تو کرے گی) تو کسی وقت میں اس کو ایشیا کی کل اقوام اپنی کاروباری زندگی کے لئے ضروری تصور کرنے لگیں گی۔

اردو زبان کے ساتھ اس وقت فرقہ پرست ہندو جو سلوک کررہے ہیں اس کے لئے تاریخ میں ایک بہت بڑی مثال موجود ہے یہ آپ کو معلوم ہے کہ بدھ مذہب کے زمانے میں پالی زبان قریب قریب کل ہندوستان کی عام زبان ہوگئی تھی۔ لیکن جب بدھوں کو دیس نکالا دے کر ان کی تہذیب اور مذہب اور معبدوں کو برہمنوں نے نیست و نابود کردیا اور پالی زبان کا سیکھنا قانوناً ممنوع کردیا اور اس کی جگہ سنسکرت کو رواج دینے پر زور دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت تو پھر لوٹ کر نہ آئی اور ملک کے مختلف حصص میں علاقائی زبانیں پالی کی جگہ قائم ہوگئیں ان ہی علاقائی زبانوں میں برج بھاشا بھی تھی جس نے حالات کی وجہ سے اردو زبان کا لباس

پڑتا ہے اور جیسے کہ آبِ حیات میں مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے ثابت کیا ہے کہ اردو برج بھاشا کی بیٹی ہے یہ خیال بالکل سچا خیال ہے کیونکہ کل برج بھاشا کی گرامر اردو میں سے لی گئی ہے اور باقی الفاظ میں کم و بیش ستر فیصدی الفاظ ہندی کے ہیں اور باقی عربی، فارسی، ترکی، انگریزی کے ہیں۔ یہ فرقہ پرست لوگ بچوں کے کانوں میں پھونکتے ہیں کہ اردو زبان غیر ملکوں سے یہاں آئی ہے یہ ہندوستان کی زبان نہیں ہے یہ صرف اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں یہ زبان پیدا بھی ہوئی اور اس کو فروغ بھی ہوا۔ باہر سے مسلمان اس کو لے کر نہیں آئے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ ہرگز نہیں مرے گی اور ہندو سب اس کو اختیار کریں گے کیونکہ وہ ہندی جو کتابوں میں لکھ کر بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں اور جن میں نصف سے زیادہ سنسکرت کے الفاظ ہوتے ہیں وہ ہندو قوم کی بھی ملکی زبان نہیں ہے۔ دہلی۔ اترپردیش۔ بہار۔ پنجاب۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے مشرقی اضلاع میں ہندوستانی زبان ہی بولی جاتی ہے اور کوئی زبان نہیں بولی جاتی ہے۔

امید ہے کہ آپ کا اخبار "ہماری زبان" ان خیالات کو ملک میں پھیلائے گا اور ہندوؤں کو یقین دلا دے گا کہ اردو باہر کے ملکوں سے نہیں آئی بلکہ یہیں پیدا ہوئی ہے اور اردو سنسکرت ہی کی ایک پراکرت یا علاقائی زبان ہے۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ "ہماری زبان" کے لئے آپ جیسے آدمی نے ایڈیٹری کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ میں اس وقت تک اس اخبار کا خریدار نہیں تھا۔ اب میں اس کا خریدار ہوتا ہوں اور سالانہ چندہ مبلغ تین روپے پیشگی ارسال کرتا ہوں۔ میرے نام اخبار جاری کر دیجئے۔

آپکا مخلص وجہ اندیش

عبد اللہ

"دانش مندانہ احساس"

(انڈین ایکسپریس بمبئی کے ۲۰ نومبر کے نوٹ پر جناب شہاب الدین دسنوی صاحب کا یہ مراسلہ اسی اخبار میں شائع ہوا ہے۔)

جناب من!

آپ نے "دانش مندانہ احساس" کے عنوان سے آندھرا اور دوسری ریاستوں میں اردو کی حیثیت کے متعلق جس خیال کا اظہار فرمایا ہے وہ ہندوستان کے ہر اردو بولنے والوں کے شکریے کا مستحق ہے۔ آپ نے ایک ایسی ہندوستانی زبان کی سچی تصویر پیش کی ہے جو ماضی میں اپنی مقبولیت کی وجہ سے ریاستی حدبندیوں سے بے نیاز تھی۔ لیکن آج وہ اپنے ہی علاقے میں حق کے لئے بھیک مانگ رہی ہے۔

یہ واقعی حیرت انگیز بات ہے کہ پرانی حیدرآباد ریاست کے اس حصے کے لئے جو اب آندھرا پردیش میں ضم ہو گیا ہے۔ آندھرا حکومت نے اردو زبان کے لئے گنجائش نکالی ہے۔ لیکن مرہٹواڑے کے اس علاقے کے ساتھ جو بمبئی سے ملحق ہوا ہے۔ بالکل جداگانہ سلوک ہوا ہے۔ اردو پورے حیدرآباد ریاست کی سرکاری زبان تھی صرف کسی ایک حصے کی نہ تھی۔ مرہٹواڑہ کے لوگ بھی اپنے فرقے اور پیشوں کے کاموں میں سرکاری ضرورت کے لئے اردو استعمال کرتے رہے ہیں۔ اب یہ غیر منصفانہ اور نامناسب بات ہے کہ اُن سے محض اس لئے دوسری زبان استعمال کرنے کے لئے کہا جائے کہ ریاستوں کی از سرِ نو تنظیم ہو گئی ہے۔

گزشتہ اکتوبر جو کل مرہٹواڑہ اردو کانفرنس پربھنی میں ہوئی تھی اس نے بمبئی حکومت سے درخواست کی ہے کہ وہ بھی آندھرا ریاست کی طرح اس بات کا پاس و لحاظ رکھے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ بمبئی ریاست اس مناسب اور معقول درخواست پر غور کرے گی۔

(انڈین ایکسپریس بمبئی ۲۰ نومبر ۱۹۵۶ء)

مراسلات

اشاعت اردو

کل ہند اشاعت اردو حیدرآباد دکن نے ایک پمفلٹ بھیجا ہے جس میں اس انجمن کا مقصد یہ بتایا گیا ہے۔

"زبان اردو کی اشاعت کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کرتے ہوئے ادبیات اردو کے جواہر پاروں کو کثیر ترین تعداد میں چھپوا کر ارزاں قیمت پر صرف چار آنہ سکہ جلد پر فروخت کرنا۔ منتشر اردو والوں کو ایک لسانی رشتہ میں جوڑنا، ٹھوس علمی، ادبی، فنی اور سائنسی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔"

اس کی مجلس نگراں میں ڈاکٹر محی الدین احمد، پروفیسر ہارون خاں شروانی، مرزا محمد بابر بیگ صاحب اور مسٹر اختر قریشی کے نام ہیں۔

مجلس شعرائے اردو ہند

قمر مراد آبادی صاحب معتمد مجلس شعرائے اردو ہند اطلاع دیتے ہیں کہ اس مجلس کے دو اجلاس کان پور اور لکھنؤ میں ہوئے جن میں طے پایا کہ مجلس کا نام مذکورہ بالا ہو۔

نگراں حضرت جگر مراد آبادی۔ خازن الطاف حسین صاحب۔ معتمد قمر مراد آبادی ہوں۔

یہ مجلس اس لئے وجود میں آئی ہے کہ اگر خدا نخواستہ ناسازیٔ وقت کے ہاتھوں اردو تباہ ہوگئی تو ہماری زندگی کی تمام دولتیں لٹ جائیں گی اور اقوام ہند کی عظمت کا سب سے بڑا ستون منہدم ہو جائے گا۔ پھر ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ رہے گی جسے لے کر ہم دوسرے ملکوں کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکیں۔

اسٹوڈنٹ اردو کنونشن

آل بہار اسٹوڈنٹ اردو کنونشن کے آفس سکریٹری صاحب نے ایک پمفلٹ اور مراسلہ بھیجا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو طلبہ کے ایسے تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لئے یہ کنونشن بلایا جا رہا ہے جس سے ان کی تعلیمی زندگی وابستہ ہے۔

مثلاً پبلک سروس کمیشن میں مقابلہ، ابتدائی ثانوی اور یونیورسٹی مدارج میں ذریعہ تعلیم، اردو لائبریریاں، اردو میں درسی کتابوں کی نایابی وغیرہ

جامعہ اردو علی گڑھ

جامعہ اردو کی مجلس منتظمہ اور اس کی کمیٹیوں میں ملک بھر کے اہل علم اور ماہران تعلیم ہیں جن کے ہر سال دو دو جلسے ہوتے ہیں۔ ایک جلسہ اکتوبر میں ہوتا ہے اور دوسرا مارچ میں۔

تنخواہ دار عملہ:۔ جامعہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر ۱۹۵۵ء سے چار کلرک، ایک چوکیدار، ایک دفتری اور اوائل ۱۹۵۶ء سے ایک نائب رجسٹرار باتنخواہ کام کر رہے ہیں۔ کام کی زیادتی کے زمانے میں حسب ضرورت کلرکوں کا زائد عملہ عارضی طور پر مقرر کر لیا جاتا ہے چنانچہ اس وقت چار عارضی کلرک کام کر رہے ہیں۔ عملہ کے کلرکوں کی تنخواہ کے وہی گریڈ ہیں جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہیں۔ اس وقت عملہ کا ماہانہ خرچہ ایک ہزار روپیہ ماہانہ سے زائد ہے۔

جامعہ کے امتحانات:۔ جامعہ صرف ایک امتحان لینے والا ادارہ ہے۔ اس نے اپنے کام کی ابتدا تین امتحانوں سے کی۔ ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل۔ ادیب کا معیار ہائی اسکولوں کے امتحان کے معیار سے قدرے بلند ہے اور ادیب ماہر کا انٹر کے امتحان سے اور ادیب کامل کا معیار بی۔ اے کے امتحان سے بلند ہے ان کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ۱۹۵۸ء سے ایک اور امتحان "ابتدائی" کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس کا معیار آٹھویں درجہ کے معیار سے ملتا جلتا ہوا ہے۔ ایک اور اعلیٰ امتحان کے دستور ادب کے نام سے بڑھانے بڑھنے کا مسئلہ مجلس منتظمہ کے زیر غور ہے

جامعہ کے یہ امتحانات دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ہوتے ہیں۔ اردو کی مقبولیت کا پتہ ان میں امیدواروں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے چل سکتا ہے۔ جامعہ کے امتحانوں کو ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور حکومتوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں اور یونیورسٹیاں بھی ان کو تسلیم کر لیں گی۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے تجربہ کار اساتذہ جامعہ کے امتحانوں میں ممتحن مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ان حضرات کا ایثار ہے کہ صرف قلیل معاوضہ پر وہ اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔

جامعہ کے امتحانات کے نتائج عام طور پر جنوری کے دوسرے ہفتے میں شائع کر دئے جاتے ہیں اور یہ ملک کے مشہور و معروف اردو اور انگریزی اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ مارچ میں تقسیم اسناد کا جلسہ علی گڑھ ہی میں ہوتا ہے اور یہ دن جامعہ کی تاریخ میں خاص اہمیت کا ہو جاتا ہے جس کی بابت سے احباب دور دور سے تشریف لا کر شرکت کرتے ہیں۔

باقی

تبصرہ

سدباب ذریعہ

علامہ ابن قیم جن کا پورا نام شمس الدین محمد بن ابی بکر جوزی حنبلی ہے۔ علمائے اعلام میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ کی طرح اشاعت کتاب وسنت اور رد بدعت میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بعض خیالات کی بنا پر ان کو تشدد سے دوچار اور قید و بند کے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ ان کو فلاسفہ، یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی تردید میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا۔ ان کی تصانیف میں اعلام الموقعین، زادالمعاد، شفاءالعلیل اور اغاثۃ اللہفان بہت اہم ہیں۔

اول الذکر میں مصنف نے فقہ اسلامی کے مسائل کی روح اور ان کے اسرار و مصالح سے بحث کی ہے اور نہایت خوبی سے استنباط و استخراج احکام کی اساس و اصول کو واضح کیا ہے۔ مگر کتاب مذکور کافی ضخیم ہے۔ اس لیے مولانا عبداللہ عمادی مرحوم نے اس کے صرف ایک حصے (سدباب ذریعہ) کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ ترجمے کی خوبی کے لیے مولانا عمادی کا نام ہی کافی ضمانت ہے۔ مولانا علوم متداولہ کے فاضل اور دل و دماغ کے اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ اس حصہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جس طرح شرعاً واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اسی طرح حرام کے محرکات بھی (خواہ وہ بجائے خود مباح ہوں) حرام قرار دیے گئے ہیں۔ یعنی شریعت مطہرہ نے کہاں صحت سے حرام امور کے ساتھ ان ذرائع و وسائل کو بھی حرام ٹھہرایا ہے جو انسان کو کبھی حرام میں مبتلا کرنے کا سبب بن سکتے ہوں۔ مصنف نے اتفاقاً اسمائے حسنیٰ کی تعداد کے مطابق اس حقیقت کو ننانوے مثالوں کے ذریعے سے سمجھایا ہے۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کتاب کا شوق سے خیر مقدم کریں گے۔

کتاب کی قیمت ۱۰ آنے ہے۔ اور کتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے۔

علم الحدیث

مسلمان اس امتیاز پر جس قدر فخر و ناز کریں تھوڑا ہے کہ انھوں نے دوسرے علوم و فنون کی طرح تاریخ کو جس کی حیثیت افسانہ و اساطیر سے زیادہ نہ تھی، ٹھوس بنیادوں پر قائم کیا اس کے اصول و قوانین مدون کیے اور اس کو سائنٹفک شکل دے دی۔ خصوصاً جناب پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کی ضبط و ترتیب کے ضمن میں آپ کے اقوال و افعال کے ایک ایک جزئیہ کو کمال احتیاط کے ساتھ محفوظ کرنا اور رجال و اسانید کا عظیم الشان دفتر تیار کر دینا ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں ملنا محال ہے۔ جب کوئی روایت ہمارے سامنے آتی ہے تو پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ احاد، حسن، شاذ، صحیح، ضعیف، عزیز، غریب، مشہور وغیرہ کس زمرہ کے تحت آتی ہے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہوجاتا ہے تو ہم یہ جانچتے ہیں کہ آیا روایت مذکور درایت کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ یعنی وہ کتاب اللہ، سنت متواترہ یا عقل صریح کی مخالف تو نہیں۔ غرض فن حدیث کی تدوین اپنی تمام فروعات کے ساتھ علمی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ تھوڑے عرصے سے کچھ آزادی پسند طبائع حدیث و سنت کی قیود سے گریزاں اور حجیت حدیث کی منکر ہوگئی ہیں۔ ان کے نزدیک صرف کتاب اللہ مدار اعتقاد و عمل ہے۔ ایسے لوگوں کے شبہات کے رد میں حال میں متعدد کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ جنھیں مذکورہ بالا تالیف بھی ہے۔ مولف مشہور فاضل مولانا عبداللہ عمادی ہیں۔ انھوں نے اس مختصر کتاب میں دکھایا ہے کہ "یورپ کو آج جس فلسفہ تاریخ پر ناز ہے اسلام ہزار برس پیشتر اس کو مکمل کرچکا ہے" مولانا نے بتایا ہے کہ جس طرح قانون کے سمجھنے میں اس کے بائی لاز اور نظائر سے ہم مدد لیتے ہیں اسی طرح کتاب اللہ کے سمجھنے میں احادیث رسول کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فاضل مولف نے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اور تمہید کے بعد علم حدیث کی تشریح، اصول حدیث، روایت درایت وغیرہ پر بحث کی ہے۔ نیز حدیث کے اجتماعی و عمرانی فوائد واضح کرنے کے ساتھ معترضین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔ اور آخر میں فہرست مآخذ دے دی ہے۔ بعض مباحث ضرور کسی قدر تشنہ رہ گئے ہیں۔ تاہم کتاب کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کتبہ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن مستحق مبارکباد ہے کہ آج کل کے ناساز گار حالات میں بھی مذہب اور اردو کی خدمت کر رہا ہے۔ کتاب کی قیمت ایک روپیہ چار آنے ہے۔

(ضیاء احمد بدایونی)